علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

اور

فتنہ قادیانیت

(جسٹس (ر) جاوید اقبال)

طالب دعا۔ زوہیب حسن عطاری

جسٹس (ر) جاوید اقبال

علامہ اقبال اور فتنہ قادیانیت

مصائب و آلام اور طرح طرح کی الجھنوں کے باوجود اقبال اپنی علمی و شعری کاوشوں، مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور ان کے سیاسی مسائل کے حل کیلئے وقت نکالتے رہے۔ انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس کی خاطر نواب بھوپال کو صدارت کیلئے لاہور بلوانے کی کوشش کی۔ [1] ''زبور عجم'' بمعہ اردو ترجمہ (جو حواشی کی شکل میں تھا) کی اشاعت کا ارادہ کیا [2]۔ ''صور اسرافیل'' (جو 1936ء میں ''ضرب کلیم'' کے نام سے شائع ہوئی) کیلئے اشعار کی تخلیق کا سلسلہ جاری رکھا اور اسی طرح انہی ایام میں قادیانیت کی تردید میں اپنا پہلا انگریزی بیان بعنوان ''قادیانیت اور صحیح العقیدہ مسلمان'' تحریر کیا۔ یہ بیان برصغیر کے مختلف انگریزی اخباروں مثلاً ایسٹرن ٹائمز، ٹریبیون، سٹار آف انڈیا کلکتہ، دکن ٹائمز وغیرہ میں شائع ہوا۔ علاوہ اس کے اردو اخباروں میں اس کا ترجمہ بھی چھپا۔ 14 مئی 1935ء کو سٹیٹسمین نے اسے شائع کیا اور ساتھ اس پر لیڈنگ آرٹیکل بھی لکھا۔

''قادیانیت اور صحیح العقیدہ مسلمان'' میں مختصراً اقبال کا استدلال یہ تھا کہ مسلمانوں کی ملی وحدت کی بنیادیں مذہبی تصور پر استوار ہیں۔ اگر ان میں کوئی ایسا گروہ پیدا ہو جو اپنی اساس ایک نئی نبوت پر رکھتے ہوئے یہ اعلان کرے کہ تمام مسلمان جو اس کا موقف قبول نہیں کرتے وہ کافر ہیں، تو قدرتی طور پر ہر مسلمان ایسے گروہ کو ملت اسلامیہ کے استحکام کے لئے ایک خطرہ قرار دے گا اور یہ بات اس لیے بھی جائز ہوگی کہ مسلم معاشرے کو ختم نبوت کا عقیدہ ہی سالمیت کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک قبل از اسلام مجوسیت کے جدید احیاء نے جن دو تحریکوں کو جنم دیا، ان میں ایک بہائیت ہے اور دوسری قادیانیت۔ بہائیت اس اعتبار سے زیادہ دیانت پر مبنی ہے کہ وہ اسلام سے اعلانیہ علیحدگی کا رستہ اختیار کرتی ہے لیکن قادیانیت اسلام کے بعض اہم ظواہر کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی روح اور نصب العین سے انحراف کرتی ہے۔ اقبال کے بیان کے مطابق ''بروز''، ''حلول'' اور ''ظل'' کی اصطلاحات مسلم ایران میں اسلام سے منحرف تحریکوں نے اختراع کیں اور ''مسیح موعود'' کی اصطلاح بھی

مسلم دینی شعور کی تخلیق نہیں ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ ہندوستان کے حاکموں کیلئے بہترین راستہ یہی ہے کہ قادیانیوں کو ایک علیحدہ مذہبی فرقہ قرار دے دیں۔‘‘(3)

اس بیان پر قادیانی اخباروں نے نئے اعتراض کیے اور اقبال پر مختلف قسم کے الزام لگائے۔ ہفتہ وار ’’لائیٹ‘‘ کے نمائندے نے اُن کی توجہ ایک اور قادیانی ہفتہ وار ’’سن رائز‘‘ کی طرف مبذول کراتے ہوئے سوال کیا کہ اس اخبار کے مطابق انہوں نے اپنے کسی گذشتہ خطبے میں احمدیت کے متعلق مختلف رائے کا اظہار کیا تھا۔ سوان کے اب کے بیان اور اس خطبہ میں تناقض کیوں ہے؟ اقبال کا جواب تھا کہ ’’وہ یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتے کہ اب سے ربع صدی پیشتر انہیں اس تحریک سے اچھے نتائج کی توقع تھی لیکن کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں ظاہر نہیں ہو جاتی بلکہ اپنے مکمل اظہار کے لیے کئی عشرے لیتی ہے۔ اس تحریک کے دو گروہوں کے درمیان اندرونی اختلافات بھی اس حقیقت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ جو لوگ بانی تحریک کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے، انہیں بھی یہ معلوم نہ تھا کہ آگے چل کر تحریک نے کیا صورت اختیار کرنی ہے۔ درخت کو جڑ سے نہیں اس کے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ پس اگر ان کے رویہ میں تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدلے۔ بقول ایمرسن صرف پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں بدلتے۔‘‘(4)

اقبال نے سٹیٹسمین کے لیڈنگ آرٹیکل میں اپنے بیان پر تبصرہ کا جواب ایک خط کے ذریعہ دیا جو 10 جون 1935ء کو سٹیٹسمین میں شائع ہوا۔ جواب کے اہم نکات یہ تھے: اول یہ کہ برصغیر کے مسلمانوں کی طرف سے کسی رسمی عرض داشت کی وصولی کا انتظار کیے بغیر انگریزی حکومت کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے عقائد میں بنیادی اختلاف کا انتظامی طور پر نوٹس لے، جیسے کہ سکھوں کو 1919ء تک انتظامی اعتبار سے ایک علیحدہ سیاسی یونٹ نہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعد میں بغیر ان کی طرف سے کسی عرض داشت کی وصولی کے انہیں ایسا تصور کیا گیا، باوجود اس کے کہ ہائی کورٹ لاہور کے فیصلہ کی رو سے سکھ کوئی علیحدہ مذہبی فرقہ نہیں بلکہ ہندو تھے۔ دوم یہ کہ قادیانیوں کے سامنے صرف دو ہی راستے تھے یا تو بہائیوں کی طرح مسلمانوں سے اپنے آپ کو خود مذہباً الگ کر لیں یا مسئلہ ختم نبوت کے متعلق اپنی تمام تاویلات مسترد کر کے اسلامی موقف قبول کریں۔ آخر دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے ان کا اسلام کے منافی تاویلات اپنانے میں کیا مقصد ہو سکتا تھا سوائے اس کے کہ سیاسی فائدہ اٹھایا جائے۔ سوم یہ کہ (اور یہ نکتہ خصوصی اہمیت رکھتا تھا) قادیانیوں کو علیحدہ مذہبی فرقہ قرار دینے میں اگر انگریزی حکومت نے مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانانِ برصغیر یہ شک کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ انگریزی حکومت جان بوجھ کر اس مذہبی فرقہ کو اس وقت تک مسلمانوں سے الگ نہ کرے گی جب تک کہ

قادیانیوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو جاتا، کیونکہ فی الحال قادیانی اپنی تعداد میں کمی کے سبب پنجاب میں سیاسی طور پر مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کے علاوہ ایک چوتھا مذہبی فرقہ بن سکنے کے قابل نہ تھے لیکن اگر ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو وہ پنجاب میں مسلمانوں کی تھوڑی سی اکثریت کو صوبائی لیجسلیچر میں شدید نقصان پہنچا سکتے تھے۔ پس اگر انگریزی حکومت 1919ء میں سکھوں سے کسی رسمی عرضداشت کی وصولی کا انتظار کیے بغیر انہیں ہندوؤں سے الگ مذہبی فرقہ تسلیم کر سکتی ہے تو اس ضمن میں اسے قادیانیوں کی طرف سے کسی رسمی عرضداشت کی وصولی کا انتظار کیوں ہے۔ (5)

پندرہ روزہ اخبار ''اسلام'' کے نمائندے نے اقبال کی توجہ مرزا البشیر الدین محمود کے ایک خطبہ جمعہ کی طرف دلائی جس میں ان پر الزام لگایا گیا تھا کہ وہ انگریزی حکومت سے قادیانیوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں جیسے رومیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود کے حوالے کر دیا تھا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا۔ اقبال نے اپنے جواب مورخہ 22 جون 1935ء میں جو اس اخبار میں شائع ہوا، واضح کیا کہ ان کے گذشتہ بیان میں ایسا کوئی فقرہ موجود نہ تھا۔ البتہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ انگریزی حکومت میں مسلمانوں کو اتنی آزادی بھی حاصل نہیں جتنی یہود کو رومی سلطنت میں حاصل تھی کیونکہ رومی اس بات کے پابند تھے کہ یہود کی مجلس امور مذہبی میں جو فیصلہ ہو گا وہ دیکھیں گے کہ اس کی تعمیل قطعی طور پر ہو جاتی ہے۔ (6)

''طلوع اسلام'' بابت اکتوبر 1935ء میں نذیر نیازی نے بھی اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اقبال کی بعض تحریروں کے اقتباسات پیش کیے جس میں انہوں نے نبوت کے دو جزاء پر بحث کی تھی، یعنی نبوت روحانیت کے ایک خاص مقام کی حیثیت سے اور نبوت ایک ایسے ادارے کی حیثیت سے جو نئی اخلاقی فضا تخلیق کر کے انسانوں میں سیاسی اور معاشرتی تغیر کا سبب بنے۔ بقول اقبال اگر دونوں اجزاء موجود ہوں تو وہ نبوت ہو گی اور اگر صرف پہلا جز موجود ہو، تو تصوف یا ولایت۔ اقبال نے تحریر کیا: (7)

> ''ختم نبوت کے معنی یہی ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزاء نبوت کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے''۔

بالآخر قادیانیوں کی حمایت میں پنڈت جواہر لعل نہرو بھی اس بحث میں کود پڑے اور انہوں نے اپنے تین انگریزی مضامین بعنوان ''اتحاد اسلام'' اقبال کے مضمون پر تبصرہ'' میں جو کلکتہ کے رسالے ماڈرن ریویو میں نومبر 1935ء میں شائع ہوئے، اقبال کے نظریات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔
اقبال نے ان کے مضامین کا ایک نہایت جامع جواب بعنوان ''اسلام اور احمدیت'' تحریر کیا، جو

''اسلام'' مورخہ 22 جنوری 1936ء میں شائع ہوا۔ اس طویل جوابی مضمون میں بھی، جو کئی بار چھپ چکا ہے انہوں نے مسئلہ ختم نبوت کے متعلق مسلمانوں کے موقف کی وضاحت کی۔ (8)

''ظاہر ہے کہ ایک ہندوستانی قوم پرست (یعنی پنڈت نہرو) جس کے سیاسی آئیڈیلزم نے اس کی حقیقت کو پرکھنے کی حس کا خاتمہ کر رکھا ہے، یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کے دل میں حق خود ارادیت کا جذبہ پیدا ہو۔ میرے نزدیک اس کی یہ سوچ غلط ہے کہ ہندوستانی نیشنلزم کے فروغ کے لیے واحد راستہ یہی ہے کہ مختلف ثقافتی وحدتوں کو مکمل طور پر کچل دیا جائے''۔

بالآخر اپنے خط بنام پنڈت جواہر لعل نہرو مورخہ 21 جون 1936ء میں اقبال نے قادیانیوں کے سیاسی رویہ کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر کیا، میرے ذہن میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قادیانی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔ (9)

گذشتہ سالوں میں قادیانی تحریک کے بارے میں اقبال کا نظریہ کیا تھا! قادیانیت کی تردید کی ضرورت انہیں کیوں پڑی یا اس تحریک کے خلاف ان کے بیانات کس پس منظر میں دیے گئے؟ قادیانیوں نے ان پر کیا کیا اعتراض کیے یا کیا کیا الزام لگائے؟ ان تمام سوالات پر علیحدہ بحث آگے آ رہی ہے..........

جنوری 1936ء کے ابتدائی ہفتوں میں اقبال اپنے مضمون ''اسلام اور احمدیت'' کی تکمیل میں مصروف تھے، اس لیے بھوپال جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا (10)۔ 16 فروری 1936ء کو ایڈیٹر اخبار ''لائیٹ'' نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کی موت کو بہانہ بنا کر اپنے افتتاحیہ کالم میں اقبال کی ذات پر حملہ کیا۔ (11) اس کا پس منظر یہ ہے کہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ قادیانی عقیدہ رکھتے تھے اور انجمن حمایت اسلام کے ایک اہم رکن تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں احراری قادیانی نزاع نے پنجاب بھر کے مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر رکھی تھی، اس لیے اقبال نے بحیثیت صدر انجمن کو مشورہ دیا کہ اسے قادیانیت کے متعلق اپنی پالیسی غیر مشتبہ الفاظ میں واضح کر دینی چاہیے۔ چنانچہ 2 فروری 1936ء کو انجمن کی جنرل کونسل نے زیر صدارت خلیفہ فضل حسین بہ تحریک عبدالمجید ایک قرارداد پیش کی جس میں ختم نبوت کے مسئلہ پر انجمن کے موقف کی وضاحت کی گئی تھی۔ اس سے پیشتر اسی موضوع پر انجمن کی طرف سے ایک اعلان بدیں مضمون بھی تیار کیا گیا تھا جو بعد میں اخبارات میں شائع ہوا کہ عقائد نبوت، وحی اور خاتمیت میں انجمن عامۃ المسلمین کی ہم نوا ہے اور کونسل اس امر کا اعلان ضروری سمجھتی ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کا ایک اساسی اصول ہے اور حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی کسی رنگ میں نہیں آ سکتا۔ پس

انجمن کا مسلک یہی ہے اور ایسا ہی رہے گا۔ خیر شیخ اکبر علی وکیل اور مولانا احمد علی نے قرارداد کی تائید کی۔
پھر انجمن کے ریکارڈ کے مطابق ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ نے نہ صرف قرارداد کی تائید کی بلکہ ارشاد فرمایا:

''جس صاحب کو جنرل کونسل کا رکن منتخب کرنا ہو اس سے پہلے اس اعلان (جو اخبارات میں شائع ہوا) کے مطابق ختم نبوت کے عقیدے کا عہد لیا جائے کہ وہ اسی مسلک پر کاربند ہے اور رہے گا''۔

اس کے بعد ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے سیکرٹری انجمن کی حیثیت سے صدر انجمن (یعنی اقبال) کے مطالبہ کی وضاحت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ میں قرارداد کی تائید کی:

''صدر محترم نے یہ محسوس کیا ہے کہ انجمن دن بدن مسلمانوں میں اپنا وقار کھو رہی ہے۔ جب تک قادیانیت کے متعلق انجمن کی پالیسی غیر مشتبہ الفاظ میں واضح طور پر پبلک کے سامنے نہ کی جائے تب تک مسلمان مطمئن نہیں ہو سکتے اور ایک بڑی بات جس پر کہ مسلمانوں میں ہیجان تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی کسی رنگ میں آ سکتا ہے یا نہیں، اس ریزولیوشن میں اس کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے''۔

اس مرحلہ پر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ جوش میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور چلا کر بولے:

''جناب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے جو تشریح کی ہے وہ غلط ہے بلکہ مجازی رنگ میں نبی آ سکتا ہے۔

مولوی غلام محی الدین ایڈووکیٹ نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا:

''انجمن علامۃ المسلمین پر اپنی جنرل کونسل کے ذریعہ واضح کرنا چاہتی ہے کہ انجمن علامۃ المسلمین کے ساتھ ہے۔ مرزا صاحب کو اختلاف پیدا نہیں کرنا چاہیے۔ اصول مندرجہ بالا کے علاوہ ان کا کوئی عقیدہ ہے تو وہ اسے اپنے تئیں رکھیں اور انجمن میں ذریعہ اختلاف نہ بنائیں اور میں اس اعلان کی پرزور تائید کرتا ہوں''۔

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ غصہ میں میٹنگ سے واک آؤٹ کر گئے۔ نو دن کے بعد ان پر فالج کا حملہ ہوا اور 11 فروری 1936ء کو رات کے گیارہ بجے مر گئے۔

انجمن کی اس کارروائی کے متعلق اخبار ''لائیٹ'' کے ایڈیٹر نے تحریر کیا کہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کی موت کا باعث انجمن کا وہ اعلان تھا جو اقبال کے مطالبے پر جنرل کونسل نے قادیانیت کے بارے میں 2 فروری 1936ء کو تیار کر کے اپنے اخبار ''حمایت اسلام'' مورخہ 6 فروری 1936ء میں شائع کیا۔ مزید لکھا کہ اقبال نے انہیں کافر کہا تھا اور انجمن سے مطالبہ کیا تھا کہ جب تک ڈاکٹر مرزا یعقوب

بیگ کو انجمن کی ممبر سے الگ نہیں کیا جاتا وہ صدارت قبول نہ کریں گے۔ بعد ازاں ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے کونسل میں محولہ بالا اعلان کی بابت قرارداد پاس کرتے وقت ان کے خلاف متشددانہ رویہ اختیار کیا۔ چنانچہ وہ اپنی طبعی موت نہیں مرے بلکہ وہ انجمن کے حق کیلئے جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایڈیٹر نے اقبال کے بارے میں تحریر کیا:

> ''ایک بہترین صبح کو ڈاکٹر محمد اقبال نے یہ خیال کیا کہ مرزا یعقوب بیگ کافر ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر اقبال نے انجمن حمایت اسلام کو چیلنج بھیج دیا کہ مرزا یعقوب بیگ کو الگ کر دیا جائے۔ جیسا کہ وہ اس احسان فراموش اور بے ضمیر کتوں کی جماعت میں بوجہ اپنی شرافت کے رہنے کے قابل نہ تھا۔ خدا نے اس کو اپنی طرف بلا لیا۔ ہم ڈاکٹر محمد اقبال اور ان کے رہزن گروہ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اب گندہ آدمی دنیا میں نہیں رہا اور ڈاکٹر صاحب انجمن کی کرسی صدارت کو زینت بخشیں''۔

سیکرٹری انجمن ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کے متعلق لکھا:

> ''ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کی بابت یہ رپورٹ ملی ہے کہ انہوں نے خاص طور پر جنرل کونسل میں متشددانہ رویہ اختیار کیا ہے اور جونہی کہ وہ (ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ) اس میٹنگ سے باہر آئے ان پر فالج گرا اور 11 فروری 1936ء کو رات کے گیارہ بجے مر گئے۔ پس ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اسلام کے شہید ہیں''

اقبال نے ''لائیٹ'' کے لگائے گئے الزامات کا نوٹس نہ لیا۔ البتہ ہفتہ روزہ ''حمایت اسلام'' نے جنرل کونسل کی کارروائی کی تفصیل پیش کرتے ہوئے واضح کیا کہ یہ سراسر غلط ہے کہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ جونہی میٹنگ سے باہر نکلے اور مر گئے۔ پس شہید اسلام ہیں۔ دراصل کونسل کا اجلاس 2 فروری 1936ء کو منعقد ہوا تھا اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ 11 فروری 1936ء کو مرے۔

اب قادیانیت کی تردید میں اقبال کی تحریروں کے پس منظر پر بحث کی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے ان تحریروں کے سبب اقبال قادیانیوں کے غیض وغضب کا نشانہ بنے۔ ان کی وفات کے پندرہ سولہ برس بعد، اضطرابات پنجاب کے سلسلہ میں منیر انکوائری کمیشن کے سامنے شہادت دیتے ہوئے ایک قادیانی گواہ نے اپنے بیان میں کہا کہ اقبال نے مرزا غلام احمد کی بیعت کی تھی اور 1930ء تا 1931ء تک اس بیعت کے پابند رہے لیکن اس کے بعد کشمیر کمیٹی میں مرزا بشیر الدین محمود اور اقبال کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے جس کے نتیجہ میں انہوں نے احمدیت کے خلاف بیانات دینا شروع کر دیے۔ جرح کے دوران گواہ نے پہلے تو کہا کہ یہ بیعت 1893ء یا 1894ء میں ہوئی تھی پھر کہا کہ 1897ء میں ہوئی

تھی۔ بعدازاں گواہ نے اپنی شہادت کے کسی اور حصہ میں بتایا کہ اقبال 1930ء تک مرزا غلام احمد کو مجدد مانتے رہے، پھر کہا کہ اس نے اپنے بیان میں یہ کہیں بھی نہیں کہا کہ اقبال قادیانی تھے۔ (12) اسی طرح بعض قادیانی حلقوں کی طرف سے یہ مشہور کرنے کی کوشش کی گئی کہ اقبال کا قادیانیت کے ساتھ گہرا تعلق رہا۔ ان کے خاندان کے کئی افراد نے قادیانیت کو قبول کیا۔ ان کے والد قادیانی تھے۔ ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد قادیانی تھے اور ان کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد قادیانی ہیں، جنہیں اقبال نے وصیت نامہ میں اپنے نابالغ بچوں کے اولیاء کی فہرست میں شامل کیا تھا۔ پس اگر بعد میں وہ قادیانیت کے خلاف ہو گئے تو اس کی وجوہات ذاتی اور سیاسی تھیں۔ (13)

اقبال کی زندگی میں ان کے قادیانی نقادوں نے ان کے متعلق یہ باتیں نہ کہی تھیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد کی سوچ بچار کا نتیجہ ہیں۔ بہر حال اس بات میں کوئی صداقت نہیں کہ اقبال نے اپنی زندگی کے کسی مرحلہ پر مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت کی یا قادیانیت کے ساتھ ان کا گہرا تعلق رہا۔ اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ان کے والد شیخ نور محمد قادیانی تھے۔ البتہ ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد نے اپنی زندگی کے ایک حصہ میں قادیانی مسلک قبول کیا اور کچھ مدت تک جماعت قادیانیہ میں شامل رہے۔ مگر بقول ان کے فرزند شیخ مختار احمد اور دختر ان عنایت بیگم و وسیمہ بیگم بعدازاں قادیانیت کو ترک کر کے جماعت سے رشتہ توڑ دیا۔ شیخ عطا محمد اقبال کی وفات کے تقریباً دو سال بعد 22 دسمبر 1940ء کو سیالکوٹ میں فوت ہوئے اور انہیں امام صاحب کے معروف قبرستان میں دفنایا گیا۔ ان کے جنازے میں راقم بھی شریک تھا۔ نماز جنازہ شہر کے ایک سنی امام مولوی سکندر خان نے پڑھائی۔ البتہ شیخ اعجاز احمد اور ان کے چند قادیانی احباب نے غالباً شیخ عطا محمد کے گذشتہ یا مفروضہ عقیدے کے پیش نظر علیحدہ نماز جنازہ پڑھی۔ شیخ عطا محمد کی اولاد میں صرف شیخ اعجاز احمد قادیانی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اقبال نے وصیت نامہ میں ان کا نام برادر زادہ ہونے کی حیثیت سے اور ان کی صالحیت کی بنا پر اپنے نابالغ بچوں کے اولیاء کی فہرست میں شامل کیا تھا۔ یہ وصیت نامہ انہوں نے قادیانیت کے خلاف اپنا پہلا بیان دینے کے پانچ ماہ بعد لکھا۔ لیکن تقریباً دو سال بعد وہ شیخ اعجاز احمد کی جگہ سر راس مسعود کو گارڈین نامزد کرنا چاہیے تھے۔ جیسا کہ ان کے خط مورخہ 10 جون 1937ء بنام سر راس مسعود سے ظاہر ہے، دیگر اولیاء کا ذکر کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں: (14)

''نمبر 3 شیخ اعجاز احمد میرا بڑا بھتیجا ہے۔ نہایت صالح آدمی ہے مگر افسوس کہ دینی عقائد کی رو سے قادیانی ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ آیا ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی مسلمان بچوں کا گارڈین ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ وہ خود بہت عیالدار ہے اور عام طور پر لاہور سے

باہر رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو گارڈین مقرر کروں۔ مجھے اُمید ہے کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا''۔

شیخ اعجاز احمد کی صالحیت کی ایک مثال یہ ہے کہ انہوں نے آج تک کسی پر اپنا عقیدہ ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی۔ لہٰذا ان کی اولاد جو دو بیٹوں اور تین بیٹیوں پر مشتمل ہے، میں سے کوئی بھی ان کے عقیدے یا مسلک کا حامی نہیں، بلکہ ختم نبوت کے مسئلہ پر ان سب کا موقف وہی ہے جو عام مسلمانوں کا موقف ہے

اب اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ختم نبوت کے مسئلہ کے متعلق ابتداء ہی سے اقبال کا اپنا ذاتی موقف کیا تھا، اس ضمن میں سب سے پہلے راقم اقبال کی نظم بعنوان ''اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں کو'' کا حوالہ دینا چاہتا ہے۔ یہ نظم انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس منعقدہ 22 فروری 1902ء میں پڑھی گئی۔ اس نظم کے نویں بند میں سرور کائنات ﷺ کی توصیف کی گئی ہے اور درج ذیل شعر میں اقبال فرماتے ہیں: (15)

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہ ہر مفہوم شرک
بزم را روشن زنورِ شمعِ عرفاں کردہ ای

اس شعر کو نظم میں شامل کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں قادیانیوں نے جو الجھاؤ پیدا کیا تھا اور جس کے باعث مسلمانوں کے ذہن مضطرب تھے، اس کی تردید مقصود تھی۔ ورنہ کسی بھی مفہوم میں ختم نبوت کے عقیدے کو تسلیم نہ کرنا اقبال کے نزدیک شرک فی النبوت کیوں قرار پاتا۔

اسکے بعد اقبال کی ایک اور نظم بعنوان ''خطِ منظومِ پیغام بیعت کے جواب میں'' خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ یہ نظم مخزن بابت مئی 1902ء میں اور پھر محمد دین فوق کے اخبار ''پنجہ فولاد'' مورخہ 11 جون 1902ء میں شائع ہوئی۔ اس نظم کے عنوان ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ بقول محمد عبداللہ قریشی، اقبال پر بھی قادیانیت قبول کرنے کیلئے ڈورے ڈالے گئے۔ (16) اس نظم کو قادیانی ہفت روزہ ''الحکم'' قادیان نے اپنی 10, 17 اور 24 جنوری 1903ء کی اشاعت میں نقل کیا اور ساتھ ہی مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک مخلص مرید سید حامد شاہ کی طرف سے اس کا منظوم جواب بھی شائع کیا۔ محمد عبداللہ قریشی کی رائے میں چونکہ سید حامد شاہ مولانا سید میر حسن کے عزیزوں میں سے تھے اور اقبال کے دوست اور ہم محلہ تھے، اس لیے عین ممکن ہے کہ اس قرب کی وجہ سے انہوں نے ہی اقبال کو مرزا غلام احمد کی بیعت کیلئے لکھا ہو جس کا جواب اقبال نے اس نظم کے ذریعے دیا۔ (17) اس نظم کے مطالعہ سے عیاں ہے کہ وہ قادیانیت کو ملت

اسلامیہ میں ایک علیحدگی پسند تحریک سمجھ کر ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے، کیونکہ مسلمانوں کے اتحاد کو برقرار رکھنا ان کے ایمان کا لازمی جز وتھا۔فرماتے ہیں:[18]

پردہ میم میں رہے کوئی
اس بھلاوے کو جانتا ہوں میں
تنکے چن چن کے باغ الفت کے
آشیانہ بنا رہا ہوں میں
ایک دانہ پہ ہے نظر تیری
اور خرمن کو دیکھتا ہوں میں
تو جدائی پہ جان دیتا ہے
وصل کی راہ سوچتا ہوں میں
بھائیوں میں بگاڑ ہو جس سے
ایسی عبادت کو کیا سراہوں میں
مرگ اغیار پہ خوشی ہے تجھے
اور آنسو بہا رہا ہوں میں
میرے رونے پہ ہنس رہا ہے تو
تیرے ہنسنے کو رو رہا ہوں میں

ان کی انگلستان سے واپسی کے چند برس بعد اخبار ''الحکم'' قادیان مورخہ 28 اگست 1910ء میں ایک خبر شائع ہوئی کہ شیخ یعقوب علی تراب کی نواسی کا نکاح بعد از نماز مغرب پانچ سو روپے حق مہر پر ڈاکٹر محمد اقبال سے ہوا۔اقبال کے احباب واعزہ کو تعجب ہوا کہ انہوں نے قادیان جا کر قادیانیوں سے رشتہ ناطہ جوڑ لیا، جن کے عقائد کے وہ خلاف تھے۔اقبال کو اس بے سروپا خبر کی تردید چھپوانی پڑی جو ''پیسہ اخبار'' مورخہ 15 ستمبر 1910ء میں شائع ہوئی۔فرمایا:[19]

''اس عبارت سے میرے اکثر احباب کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے مجھ سے زبانی اور بذریعہ خطوط استفسار کیا ہے۔سب حضرات کی آگاہی کیلئے بذریعہ آپ کے اخبار کے اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مجھے اس معاملہ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔جن ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کا ذکر ایڈیٹر صاحب ''الحکم'' نے کیا ہے وہ کوئی اور صاحب ہوں گے''۔

قادیانی اخبار ''الفضل'' مورخہ 9 اکتوبر 1915ء میں ایک مضمون بعنوان ''جناب ڈاکٹر شیخ محمد

اقبال صاحب کی رائے اختلاف جماعت احمدیہ کے بارے" میں شائع ہوا۔ یہ مضمون سید انعام اللہ شاہ سیالکوٹی کا تحریر کردہ تھا اور قادیانیوں میں قادیان پارٹی اور لاہوری پارٹی کے اختلاف سے متعلق تھا۔ اس مضمون میں اقبال سے یہ کلمہ منسوب کیا گیا کہ عقائد کے لحاظ سے قادیان والے سچے ہیں لیکن مجھے لاہور والوں سے ہمدردی ہے۔ اقبال کو اس کی تردید بھی بذریعہ خط بنام ایڈیٹر کرنی پڑی جو "پیغام صلح" مورخہ 13 نومبر 1915ء میں شائع ہوئی۔ اپنی پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا:[20]

"اختلاف سلسلہ احمدیہ کے متعلق وہی شخص رائے دے سکتا ہے جو مرزا قادیانی کی تصانیف سے پوری آگاہی رکھتا ہو اور یہ آگاہی مجھے حاصل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بدیہی ہے کہ ایک مسلمان جو رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کا قائل نہ ہو، وہ کس طرح یہ بات کہہ سکتا ہے کہ عقائد کے لحاظ سے قادیان والے سچے ہیں"۔

بہر حال ختم نبوت اور دیگر متعلقہ مسائل پر وقتاً فوقتاً اقبال نے اپنے خیالات کا اظہار بعد کی تحریروں اور منظومات میں بھی کیا ہے، جن سے قادیانی عقائد کی تردید ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا مثالوں سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ 1935ء ہی میں پہلی بار انہوں نے ختم نبوت کے مسئلہ پر قادیانی عقائد کو اپنی تنقید کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ گذشتہ کئی برسوں سے وہ ان کی تردید کرتے چلے آ رہے تھے۔ فرق اتنا تھا کہ 1935ء سے پیشتر انہوں نے اس سلسلہ میں کبھی مناظرانہ رویہ اختیار نہ کیا تھا۔ اقبال نے عالم دین ہونے کا دعویٰ کبھی نہیں کیا، نہ ہی وہ مسلمانوں میں موجود مختلف فرقوں کے دینی اختلافات پر کسی رائے کا اظہار کرنا پسند کرتے تھے، کیونکہ ان کا نصب العین منتشر ملت اسلامیہ میں اتفاق کے فروغ کے ذریعے اتحاد و یگانگت کو وجود میں لانا تھا۔..........

سو 1935ء سے پیشتر انہوں نے ختم نبوت اور متعلقہ مسائل پر کبھی قادیانیوں سے مناظرہ کرنے کا قصد نہ کیا تھا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہوسکتی ہے! اس کا جواب ڈھونڈنے کیلئے 1902ء سے بھی پیچھے جانے کی ضرورت ہے۔

اقبال کی ولادت سے پیشتر مرزا غلام احمد قادیانی سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں چار پانچ برس سیالکوٹ میں مقیم رہا اور اس زمانہ میں وہ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں کے اسلام پر پے در پے حملوں کا جواب دیتا اور ان سے مناظرہ کیا کرتا تھا۔ اسی سبب سے ایک عالم دین کی حیثیت سے سیالکوٹ کے لوگ اس کی تعظیم کرتے تھے اور وہاں کے دیگر علماء فضلا مثلاً مولانا غلام حسن، مولانا سید میر حسن وغیرہ کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے جہاں تک اقبال کے والد شیخ نور محمد کا تعلق ہے، وہ چونکہ مولانا غلام حسن اور مولانا سید میر حسن کے خاص دوستوں اور ہم نشینوں میں سے تھے، اس لیے مرزا غلام احمد کو

جانتے تھے۔سید تقی شاہ فرزند مولانا سید میر حسن کو حکم بنایا جاتا تھا۔[21] بہر حال مرزا غلام احمد سیالکوٹ سے رخصت ہو گیا۔خاصی مدت کے بعد اُس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ایک دو سال بعد پھر سیالکوٹ آ گیا۔یہ اقبال کی طالب علمی کا دور تھا۔سیالکوٹ میں مرزا غلام احمد کا قیام اقبال کے گھر کے قریب تھا۔اس لیے اقبال اسے گلیوں میں آتے جاتے دیکھتے تھے۔سیالکوٹ کے علماء نے مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔چنانچہ شہر کے لوگوں میں ان کی مخالفت روز بروز بڑھنے لگی۔اس مرحلے پر مولانا سید میر حسن نے سر سید احمد خاں کو ایک خط لکھا اور مرزا غلام احمد کی نبوت کے بارے میں ان کی رائے پوچھی۔سر سید نے انہیں اپنے خط محررہ 9 دسمبر 1891ء میں جواب دیا:[22]

مرزا غلام احمد قادیانی کے کیوں لوگ پیچھے پڑے ہیں۔اگر ان کے نزدیک ان کو الہام ہوتا ہے تو بہتر ہم کو اس سے کیا فائدہ۔نہ ہمارے دین کے کام کا نہ دنیا کے۔ان کا الہام ان کو مبارک ہے۔اگر نہیں ہوتا ہے اور صرف ان کے توہمات اور خلل دماغ کا نتیجہ ہے، تو ہم کو اس سے کیا نقصان ہے، وہ جو ہوں سو ہوں، اپنے لیے ہیں۔میں سنتا ہوں آدمی نیک، بختاور، نمازی پرہیز گار ہیں۔یہی ان کی بزرگداشت کو کافی ہے۔جھگڑا اور تکرار کس بات کا ہے ان کی تصانیف میں نے دیکھیں۔وہ اس قسم کی ہیں جیسا کہ ان کا الہام، نہ دین کے کام کی نہ دنیا کے کام کی۔مولوی حکیم نور الدین کی کوئی تحریر میں نے آج تک نہیں دیکھی۔دینیات میں کسی کا الہام جب تک اس کو شارع تسلیم نہ کر لیا جائے کسی کام کا نہیں''۔

ایک نکتہ جسے پوری طرح سمجھے بغیر بحث کو آگے نہیں بڑھایا جا سکتا، یہ ہے کہ اقبال نے کبھی سیاست کو دین سے الگ تصور نہ کیا۔ان کے سوانح حیات کے مطالعہ سے عیاں ہے کہ وہ سیکولر سیاست کے قائل نہ تھے اور نہ کبھی اس میں ملوث ہوئے۔ان کے ہاں سیاست سے مراد مسلمانان برصغیر کے مفادات کا بہر صورت تحفظ تھا۔ملت اسلامیہ کے اتحاد، یگانگت، یکجہتی اور سالمیت کی خاطر وہ اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار تھے اور یہ جذبہ شروع سے لے کر آخر تک ان کے دل و دماغ پر حاوی رہا۔پس اقبال کے ضمن میں جب سیاست کی اصطلاح استعمال کی جائے تو اس کے معانی ہوں گے مسلمانان برصغیر کے مفادات کا تحفظ، کیونکہ یہی تمام عمر اقبال کی سب سے اہم سیاسی غرض رہی۔

اس مرحلہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ 1935ء سے قبل ختم نبوت کے مسئلہ پر قادیانی عقائد کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانے کے باوجود اقبال کے جماعت قادیانیہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار نہ دینے میں کیا سیاسی مصلحت تھی؟ بالفاظ دیگر اگر بقول اقبال، انہیں تحریک قادیانیہ سے اچھے نتائج کی توقع تھی تو وہ اچھے نتائج کیا ہو سکتے تھے۔برصغیر کے بیشتر علماء نے تو ابتداء ہی سے مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کو تسلیم کرنے سے

انکار کر دیا تھا اور اسی طرح ختم نبوت اور دیگر متعلقہ مسائل کے بارے میں بھی قادیانی عقائد پر شدید اعتراضات کے باعث ان کا مطالبہ تھا کہ قادیانیوں کو ایک علیحدہ مذہبی فرقہ قرار دے دیا جائے۔ علاوہ ازیں عام مسلمان بھی قادیانیوں کو غیر مسلم سمجھنے لگے تھے۔ بقول سید شمس الحسن 1931ء میں جب سر ظفر اللہ خان کو مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا تو دہلی کے مسلمانوں نے شدید احتجاج اور مظاہرہ کیا کیونکہ وہ سر ظفر اللہ خان کو قادیانی ہونے کی وجہ سے غیر مسلم سمجھتے تھے اور مزید مظاہروں کے خوف سے لیگ کا سالانہ اجلاس فتح پوری سکول ہال کے بجائے سید نواب علی نامی ایک ٹھیکہ دار کے گھر میں منعقد کیا گیا۔ (23)

آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں اقبال کو تحریک قادیانیہ کے ارکان کے ساتھ کام کرتے وقت کس قسم کا تجربہ حاصل ہوا! کشمیر کمیٹی کے صدر مرزا بشیر الدین محمود مقرر کیے گئے تھے اور سیکرٹری عبد الرحیم درد (یعنی دونوں اہم عہدے قادیانیوں کو سونپے گئے تھے) ان کے علاوہ کمیٹی کے دیگر ارکان مسلمان بھی تھے اور قادیانی بھی۔ جولائی 1931ء میں کمیٹی قائم کرتے وقت چونکہ خیال تھا کہ یہ ایک عارضی تنظیم ہے۔ لہٰذا اس کیلئے کسی قسم کا دستور وضع کرنے یا قواعد وضوابط مرتب کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ صدر اور سیکرٹری کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ دو ایک برس میں قادیانی ارکان پر الزام لگا کر وہ کشمیر کمیٹی کو قادیانیت کی تبلیغ کی خاطر استعمال کر رہے ہیں اور اس کے ذریعے ان کا اصل مقصد کشمیری مسلمانوں کو قادیانی بنانا ہے۔ اب شیخ اعجاز احمد کے نزدیک یہ سب قادیانیوں کے خلاف احراریوں کا پراپیگنڈا تھا اور ان کے دباؤ یا ڈرانے دھمکانے کے پیش نظر اقبال جیسی شخصیت نے بھی اس الزام کو درست تسلیم کر لیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جماعت قادیانیہ کے ممبران اپنے عقیدے کی نشر و اشاعت یا تبلیغ میں جوش وخروش کے اظہار کی وجہ سے مشہور یا بدنام نہیں ہیں؟ اگر واقعی ایسا ہے تو اس تہمت پر یقین کرنے والے حق بجانب بھی سمجھے جا سکتے تھے۔

بہر حال کشمیر کمیٹی کے بعض ارکان نے، جن میں اقبال بھی شامل تھے، تجویز پیش کی کہ چونکہ کمیٹی کو بحیثیت ایک تنظیم ابھی کچھ مدت تک قائم رکھنا پڑے گا، اس لیے اس کی خاطر دستور اور قواعد وضوابط وضع کر لینے چاہئیں تا کہ ہر کام ان کے مطابق انجام دیا جا سکے اور کسی کو کسی کے خلاف شکایت کرنے کا موقع نہ ملے۔ قادیانی ارکان کو یہ تجویز منظور نہ تھی کیونکہ ان کی دانست میں اس کا مقصد ان کے امیر کے لامحدود اختیارات کو محدود کرنا تھا۔ پس اس مرحلہ پر مرزا بشیر الدین محمود کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہو گیا لیکن شیخ اعجاز احمد کے نزدیک یہ حقیقت نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ احراریوں نے اقبال کے ساتھ سازش کر کے فیصلہ کیا تھا کہ مرزا بشیر الدین محمود کو کشمیر کمیٹی کی صدارت سے علیحدہ کیا جائے۔ چنانچہ اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' میں خبر شائع کرائی گئی کہ کشمیر کمیٹی کا صدر غیر قادیانی مسلمان

ہونا چاہیے اور اس کے بعد مرزا بشیر الدین محمود کو کمیٹی کا اجلاس برائے انتخاب عہدیداران بلانے کیلئے تحریر کیا گیا۔ انہوں نے وہ اجلاس بلوایا اور انتخاب عہدہ داران کے لئے راستہ صاف کرنے کی غرض سے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ یہاں بھی ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کیا کشمیری مسلمانوں میں احمدی عقیدے کی تبلیغ کے الزام کو غلط ثابت کرنے کیلئے احمدی ارکان نے کوئی قدم اٹھایا! جواب ہے۔نہیں اس کی نوبت ہی نہ آئی کیونکہ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا تھا۔

مرزا بشیر الدین محمود کی جگہ اقبال کو کشمیر کمیٹی کا قائم مقام صدر منتخب کیا گیا اور جب اقبال نے کمیٹی کے دستور کا مسودہ تیار کر کے اجلاس میں پیش کیا تو قادیانی ارکان نے ان کی مخالفت کی۔ بلکہ دوران بحث اقبال پر واضح کر دیا کہ قادیانیوں کے نزدیک کشمیر کمیٹی یا مسلمانوں کی کسی بھی تنظیم کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق کسی وفاداری کے پابند ہیں تو صرف ان کی امیر کے ساتھ وفاداری ہے۔یعنی وہ مسلمانوں کی اکثریت کی بنا پر وضع کیے ہوئے کسی دستور کے پابند نہیں ہو سکتے بلکہ یہ تو وہی کریں گے جو ان کے امیر کا حکم ہوگا۔ بالفاظ دیگر قادیانی بظاہر کشمیر کمیٹی کو قائم رکھتے ہوئے اسے اندر سے دو حصوں یعنی مسلمانوں اور قادیانیوں میں تقسیم کرنے کے درپے تھے۔ یہ صورت اقبال کیلئے نا قابل قبول تھی، اس لیے انہوں نے کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا اور مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ اگر مسلمانان ہند اپنے کشمیری بھائیوں کی امداد اور رہنمائی کرنا چاہتے ہیں تو کوئی اور کشمیر کمیٹی بنائیں جو صرف مسلمانوں پر مشتمل ہو۔لیکن شیخ اعجاز احمد فرماتے ہیں کہ اقبال احراریوں کے ایماء پر کشمیر کمیٹی کی تخریب میں مصروف ہو گئے اور احراریوں کی حوصلہ افزائی کرنے لگے...... بعد میں قادیانیوں نے ''تحریک کشمیر'' کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کی اور اقبال کو اس کی صدارت پیش کی لیکن اقبال نے اس پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے اپنے بیان مورخہ 2 اکتوبر 1933ء میں فرمایا:(24)

> ''قادیانی ہیڈ کوارٹرز کی طرف سے ابھی تک ایسا کوئی واضح اعلان جاری نہیں ہوا کہ اگر قادیانی مسلمانوں کی کسی سیاسی تنظیم میں شامل ہوں گے تو ان کی وفاداریاں منقسم نہیں ہوں گی۔ دوسری طرف واقعاتی طور پر یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ جسے قادیانی پریس ''تحریک کشمیر'' کے نام سے پکارتا ہے اور جس میں بقول قادیانی اخبار ''الفضل' مسلمانوں کو محض اخلاقی طور پر شامل ہونے کی اجازت دی گئی ہے، ایک ایسی تنظیم ہے، جس کے مقاصد اور محرکات آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے مختلف ہیں''۔

شیخ اعجاز احمد فرماتے ہیں کہ قادیانیت کے خلاف محاذ آرائی کے ایام میں جب اقبال سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ تو اس فرقہ کو ''اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ'' سمجھتے تھے، تو جواب میں انہوں نے اعتراف کیا

کہ پچیس برس پیشتر انہیں اس تحریک سے اچھے نتائج برآمد ہونے کی توقعات تھیں لیکن انہیں اس وقت شکوک پیدا ہوئے جب بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے برتر ایک نئی نبوت کا دعویٰ کیا گیا۔ اس کے بعد شیخ اعجاز احمد فرماتے ہیں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے برتر نبوت کے دعوے کی تہمت احراریوں اور اقبال کے حاشیہ نشینوں نے انہیں قادیانیت کے خلاف بھڑکانے کیلئے تراشی تھی لیکن افسوس ہے شیخ اعجاز احمد نے اس ضمن میں اقبال کا پورا فقرہ درج نہیں کیا۔ اقبال فرماتے ہیں:(25)

''ذاتی طور پر مجھے اس تحریک کے متعلق اس وقت شبہات پیدا ہوئے جب ایک نئی نبوت، جو بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے بھی برتر تھی، کا دعویٰ کیا گیا اور تمام عالم اسلام کے کافر ہونے کا اعلان کیا گیا۔ بعدازاں میرے شبہات نے اس وقت مکمل بغاوت کی صورت اختیار کر لی، جب میں نے اپنے کانوں سے اس تحریک کے ایک رکن کو پیغمبر اسلام کے بارے میں نہایت نازیبا زبان استعمال کرتے ہوئے سنا''۔

پس یہ محض احراریوں یا حاشیہ نشینوں کے بھڑکانے کا نتیجہ نہ تھا۔ اقبال کے اپنے کان بھی تو تھے، جنہیں وہ سننے کیلئے استعمال میں لاتے تھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ممکن ہے بقول شیخ اعجاز احمد، مرزا قادیانی نے کبھی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے برتر نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو اور نہ کوئی قادیانی مرزا قادیانی کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے برتر یقین کرتا ہو، مگر کسی بھی مفہوم میں ختم نبوت کے عقیدے کو تسلیم نہ کرنے میں یہی تو قباحت ہے کہ یوں بعد کی نئی نبوت کی برتری کے اظہار کی طرح ڈالی جا سکتی ہے یا ایسے منفی انداز فکر کیلئے دروازہ کھل جانے کا امکان ہے۔ عین ممکن ہے کہ شیخ اعجاز احمد یا دیگر قادیانیوں کا عقیدہ وہی ہو جو انہوں نے بیان کیا ہے لیکن جس بدبخت کی باتوں کو اقبال نے اپنے کانوں سے سنا، وہ بھی تو اپنے آپ کو تحریک قادیانیت کا رکن ہی سمجھتا تھا۔

شیخ اعجاز احمد کا خیال ہے کہ اقبال اپنی خداداد عقل و دانش کے ساتھ ساتھ بچوں کی طرح معصوم اور بھولے بھالے تھے۔ سنی سنائی بات کا بغیر تحقیق کیے یقین کر لیتے۔ اس ضمن میں انہوں نے اقبال کے بھولپن کی تین مثالیں پیش کی ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ تحریک احمدیہ کے عقائد کے متعلق بھی انہوں نے سنی سنائی باتوں کا بغیر تحقیق کیے یقین کر لیا تھا۔ راقم کی رائے میں ایک ایسا شخص جو ہندو رہنماؤں یا انگریز حاکموں کی سیاسی چالوں کو پوری طرح سمجھتا ہو، جس کی یخ بستہ منطق نے واضح کیا ہو کہ مسلمانوں کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ علیحدہ نیابت کے مطالبے کو کسی قیمت پر بھی نہ چھوڑیں جو ایک تجربہ کار وکیل کی حیثیت سے انفرادی یا اجتماعی لین دین کے معاملات میں اپنی فلسفہ دانی یا شاعرانہ تخیل کے باوجود عملی اور کاروباری قسم کا آدمی ہو اس سے ایسے معصومیت یا بھولپن کی توقع رکھنا یا یہ سمجھنا کہ اس

نے سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے قادیانیت کے خلاف بلاوجہ شور مچا دیا، قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ اعجاز احمد اقبال کے تمام سوانح حیات میں غالباً یہی تین مثالیں ان کے بھولپن کی پیش کر سکتے تھے۔ مگر راقم کے نزدیک یہ مثالیں اقبال کے بھولپن کو ثابت کرنے کیلئے ناکافی ہیں۔ مثلاً سردار بیگم کے ساتھ نکاح کے بعد بعض گمنام خطوں پر ان کا یقین کر لینا اور پھر اپنی غلطی پر پشیمان ہونا، ان کا بھولپن ظاہر نہیں کرتا بلکہ ذہنی اضطراب یا بے چینی کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ ان کی پہلی شادی ناکام رہی تھی اور وہ دوسری بار ضرورت سے زیادہ محتاط ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر یہ کہنا کہ کسی کی گپ پر اعتبار کرتے ہوئے انہوں نے یقین کر لیا کہ روس کا نیا صدر محمد استالین مسلمان ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وسط ایشیا کے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کیلئے یا انہیں اپنا مطیع رکھنے کی خاطر شروع میں روسی کمیونسٹوں نے اسی قسم کا پراپیگنڈا کیا تھا اور عین ممکن ہے کہ یہ پراپیگنڈا سرحدیں عبور کر کے برصغیر میں بھی پہنچا ہو۔ اقبال نے غالباً اس پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر اپنے بڑے بھائی کو یہ خوشخبری سنائی لیکن بعد میں تحقیق پر یہ خبر غلط ثابت ہوئی۔ اسی طرح اس زمانے میں مغربی پریس دنیائے اسلام میں اس قسم کی غلط خبروں کی تشہیر بطور پالیسی کیا کرتا تھا کہ کسی ملک کے مسلمانوں نے نماز سے پہلے وضو اڑا دیا، یا کسی مسلم ملک میں نماز میں تبدیلیاں کر دی گئیں یا ایسی تحریک دیگر مسلم ممالک میں بھی جاری ہے۔ اس پراپیگنڈے کا مقصد دنیائے اسلام کے حصے بخرے کرنا یا اس میں انتشار پھیلانا تھا اور اس قسم کا طرز عمل آج بھی یہود نواز مغربی پریس اختیار کر لیتا ہے۔ اس اعتبار سے ایسی خبروں سے اقبال کا دل گرفتہ ہونا ان کے بھولپن یا معصومیت کا ثبوت فراہم نہیں کرتا بلکہ ملت اسلامیہ کے متعلق ان کی فکرمندی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کشمیر کمیٹی میں اقبال اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر قادیانیوں سے مایوس ہوئے تھے۔

شیخ اعجاز احمد سمجھتے ہیں کہ کشمیر کمیٹی کے قیام کے دوران اقبال اور جماعت قادیان کے تعاون میں احراری رخنہ انداز ہوئے اور انہوں نے اقبال کو ڈرا دھمکا کر اپنے ساتھ مفاہمت کرنے کی راہ ہموار کی۔ پس اسی مفاہمت کے پس منظر میں اقبال اور احراریوں کی سازش کے ذریعہ مرزا بشیر الدین محمود کو کشمیر کمیٹی کی صدارت سے الگ کیا گیا اور بعد میں اقبال، مجلس احرار کی ہر طرح حوصلہ افزائی کرنے لگے۔ بقول ان کے، احراریوں نے قادیانی عقائد کے متعلق بے بنیاد باتیں تراش کر اقبال کے عشق رسول ﷺ کو ایکس پلائیٹ کرتے ہوئے انہیں قادیانیت کے خلاف بھڑکایا اور اقبال نے بغیر تحقیق کیے ان کی باتوں کو درست تسلیم کر لیا۔

کشمیر کمیٹی میں قادیانیوں کے ساتھ ملکر کام کرنے میں اقبال کا ذاتی تجربہ تھا اور اس ضمن میں ان کے بیانات سے ظاہر ہے کہ وہ قادیانیوں سے مایوس ہوئے تھے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا

ضروری ہے کہ اقبال قادیانیوں سے من حیث الجماعت 1933ء میں مایوس ہوئے لیکن انہوں نے تحریک قادیانیہ کے خلاف اپنا پہلا بیان دو سال بعد یعنی 1935ء میں جاری کیا۔ احراریوں کی جماعت قادیانیہ سے پرانی عداوت تھی اور جب اقبال کشمیر کمیٹی میں قادیانیوں سے مایوس ہوئے تو عین ممکن ہے کہ احراریوں نے قادیانیوں کے خلاف ان سے مفاہمت کرنے کی کوشش کی ہو کیونکہ یہ صورتحال دونوں فریقوں کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے کا ذریعہ بنتی تھی مگر اس صورتحال کے صحیح تجزیہ کیلئے تین چار دیگر امور بھی ذہن میں رکھنے چاہئیں، جنہوں نے مستقبل میں بالخصوص پنجاب کی مسلم سیاست پر اثر انداز ہونا تھا۔ یہ امور تھے: کمیونل ایوارڈ، محمد علی جناح کے ہاتھوں 1934ء میں مسلم لیگ کا احیاء 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت صوبائی خود مختاری کا مسئلہ، سر فضل حسین کی یونینسٹ پارٹی کا پروگرام اور پنجاب میں مسلم اکثریت کو بروئے کار لانے کے سلسلہ میں درپیش خطرات، ان امور کے پس منظر میں محمد علی جناح، اقبال اور پنجاب کے دیگر مسلم لیگی رہنماؤں، احراریوں، یونینسٹوں اور احمدیوں کے سیاسی عزائم نے 1935ء تک جو شکل اختیار کی، اس کی روشنی ہی میں اقبال کے تحریک قادیانیہ کے خلاف بیانات کو پوری طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

اصل سوال یہ ہے کہ اگر اقبال قادیانیوں سے 1933ء میں مایوس ہو گئے تھے تو انہوں نے دو برس انتظار کے بعد 1935ء میں قادیانیت کے متعلق اپنی تبدیلی رائے کا برملا اظہار کیوں کیا؟ ایک طبقہ فکر کی رائے ہے کہ جب قادیانیوں کے سیاسی عزائم واضح طور پر سامنے آ گئے تو اقبال نے قادیانیت سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ [26] آخر قادیانیوں کے کوئی سیاسی عزائم تھے تو کیا تھے؟ بالفاظ دیگر اگر اقبال نے عامۃ المسلمین کیلئے تحریک قادیانیہ کے سیاسی عزائم سے کوئی خطرہ محسوس کیا تو وہ کیا تھا؟

یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ برصغیر میں سیاسی بیداری کے دور میں بھی تحریک قادیانیہ انگریزی حکومت کی اطاعت اور وفاداری کا دم بھرتی تھی۔ اپنے ابتدائی ایام ہی میں اس نے جہاد کی حرمت کا اعلان کر رکھا تھا اور اس سے مراد یہ لی گئی کہ قادیانیوں کے نزدیک انگریز کے ساتھ وفاداری کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ اس کے خلاف سیاسی آزادی کیلئے جدوجہد کرنا بھی حرام قرار دیا گیا تھا۔ تحریک قادیانیہ کا تعلق خالصتاً پنجاب کی سرزمین سے تھا پنجاب میں غیر مسلموں کے مقابلے میں مسلمانوں کی اکثریت تھوڑی سی تھی اور اس اکثریت کے بل بوتے پر یہاں کسی مستحکم مسلم وزارت تشکیل دے سکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ اگر مسلمانوں میں اتحاد برقرار رکھا جا سکے تو وہ مخلوط وزارت قائم کر سکتے تھے۔ چنانچہ پنجاب میں سر فضل حسین نے غیر فرقہ وارانہ سیاسی جماعت یونینسٹ پارٹی قائم کر رکھی تھی۔ سر فضل حسین کے والد کے مرزا قادیانی سے خاندانی مراسم تھے۔ جب سر فضل حسین

انگلستان سے اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد واپس تشریف لائے تو ان کے والد انہیں ساتھ لے کر مرزا غلام احمد کے پاس گئے اور ان کیلئے دعا کی درخواست کی۔ [27] بعد میں 1926ء میں جب سر ظفر اللہ خان پنجاب کی کونسل کیلئے منتخب ہوئے تو مرزا البشیر الدین محمود (قادیانیوں کے دوسرے جانشین) نے انہیں ہدایت کی کہ کونسل میں اور سیاسی میدان عمل میں سر فضل حسین کے ساتھ پورا تعاون کیا جائے۔ [28] سر ظفر اللہ خان کہتا ہے:

"میں تو پہلے ہی میاں صاحب کا مداح اور ممنون احسان تھا اس لیے حضور کے ارشاد کی تعمیل میرے لیے آسان تھی"۔ [29]

سو پنجاب میں قادیانی جماعت نے سیاسی میدان عمل میں سر فضل حسین کی یونینسٹ پارٹی کے ساتھ تعاون کے ذریعہ اپنی سیاسی زندگی کی ابتداء کی۔ سر ظفر اللہ خان نے مرزا البشیر الدین محمود کی ہدایت کے تحت یونینسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کی اور یہ تعلق آخر تک قائم رہا۔ سر فضل حسین کے بارے میں ان کے فرزند عظیم حسین کی تحریر کردہ کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی رائے سے اختلاف کرنے والوں کو قطعی پسند نہ کرتے تھے اور اپنے اردگرد صرف ایسے لوگوں کو دیکھنے کے خواہش مند تھے جو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں یا ان کی رائے سے اتفاق کرتے رہیں۔ سر ظفر اللہ خان بھی اسی سبب سے ان کے منظور نظر تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قادیانی جو اصلاً ایک مذہبی جماعت تھی کو سیاسی وابستگی پیدا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ جواب ہے، سیاسی قوت حاصل کیے بغیر کوئی بھی مذہبی تحریک نہ تو اپنا الگ تشخص برقرار رکھ سکتی ہے اور نہ اس کے اراکین کی تعداد میں اضافہ ہو سکنے کا امکان ہے۔ قادیانی جماعت نے یونینسٹ پارٹی کے ساتھ تعلق کس سیاسی مصلحت کے تحت قائم کیا تھا۔ اس سوال کا جواب بڑا آسان ہے۔ اول یہ کہ یونینسٹ پارٹی ایک غیر فرقہ وارانہ سیاسی جماعت تھی، یعنی باوجود اس کے کہ اس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، وہ اصولاً ایک سیکولر پارٹی تھی جس میں قادیانی بحیثیت ایک مذہبی فرقہ مسلمانوں میں رہتے ہوئے بھی انہیں اندر سے تقسیم کر کے اپنی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہونے تک اپنی علیحدہ حیثیت برقرار رکھ سکتے تھے۔ دوم یہ کہ یونینسٹ پارٹی انگریزی حکومت کی اطاعت کا دم بھرتی تھی اور اس کے ذریعہ قادیانی (جو عقیدتاً انگریزی حکومت کے وفادار تھے) بظاہر عامۃ المسلمین میں شمار ہوتے ہوئے وہ مناصب حاصل کر سکتے تھے جو مسلمانوں کیلئے مخصوص تھے۔ بہر حال اس زمانہ میں مسلم لیگ یا مسلم کانفرنس جیسی سیاسی جماعتیں عوامی نہ تھیں۔

اسی دور میں کشمیر کمیٹی میں اقبال کو خالصتاً قادیانی قیادت میں کام کرنے کا تجربہ حاصل ہوا۔ کشمیر

کمیٹی ایک عارضی تنظیم کی صورت میں عجلت میں بنائی گئی تھی۔ اس کا نہ تو کوئی دستور تھا اور نہ قواعد و ضوابط۔ جب قادیانی ارکان پر الزام لگا کر وہ کشمیر کمیٹی کو کشمیر میں قادیانیت کی تبلیغ کی خاطر استعمال کر رہے ہیں تو اس قسم کے الزامات کے تدارک کیلئے تجویز پیش کی گئی کہ کشمیر کمیٹی کیلئے دستور اور قواعد وضوابط وضع کر لیے جائیں تا کہ کسی کو کسی کے خلاف شکایت کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن بجائے اس کے کہ الزام کو غلط ثابت کرنے کیلئے قدم اٹھائے جاتے، قادیانیوں نے اس تجویز کو اپنے امیر کے لامحدود اختیارات کو محدود کرنے کیلئے ایک چال تصور کیا اور مرزا بشیر الدین محمود نے کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ جب اقبال کشمیر کمیٹی کے قائم مقام صدر منتخب ہوئے تو قادیانی اراکین نے ان کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا اور بقول اقبال ان پر واضح کر دیا کہ قادیانیوں کے نزدیک کشمیر کمیٹی یا مسلمانوں کی کسی بھی تنظیم کی کوئی اہمیت نہیں اور ان کے عقیدے کے مطابق اگر وہ کسی وفاداری کے پابند ہیں تو صرف ان کی امیر کے ساتھ وفاداری ہے۔ پس اقبال پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قادیانی اگر مسلمانوں کی کسی سیاسی تنظیم میں شامل ہوں گے تو ان کی وفاداریاں یقیناً منقسم ہوں گی۔ یعنی ان کی اولین وفاداری اپنی جماعت کے ساتھ ہوگی، نہ کہ ملت اسلامیہ کے ساتھ۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں میں اور بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں میں اتحاد کی اشد ضرورت تھی۔ بعد ازاں اقبال کے کان میں کسی قادیانی کے منہ سے نکلی ہوئی دو ایک ناخوشگوار باتیں پڑیں جن کے سبب وہ قادیانی جماعت سے بیزار ہو گئے۔ یہ سب 1933ء میں ہوا لیکن اقبال نے قادیانیت کے خلاف اپنا پہلا بیان 1935ء میں جاری کیا۔ اس کی وجہ کیا تھی؟

شیخ اعجاز احمد کا خیال ہے کہ 1935ء میں احراریوں نے قادیانیوں کے خلاف ایک عام تحریک چلا رکھی تھی۔ چنانچہ احراریوں یا اپنے کسی قادیانیت کے مخالف حاشیہ نشین کے بھڑکانے پر اقبال نے بھی قادیانیت کے خلاف مضمون داغ دیا۔ اس ضمن میں وہ اپنے بیان کی تائید میں عبدالمجید سالک کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ مگر راقم کی رائے میں شیخ اعجاز احمد اور عبدالمجید سالک دونوں کا استدلال درست نہیں۔ اقبال نے قادیانیت کی تردید میں اپنا پہلا بیان کسی کے اکسانے پر محض اتفاقی یا حادثاتی طور پر نہیں دیا تھا بلکہ اس کے چند اہم محرکات تھے جن کا تعلق پنجاب میں مسلم سیاست کے مستقبل سے تھا۔ علاوہ ازیں یہ بیان گورنر پنجاب سر ہربرٹ ایمرسن کی تقریر کے جواب میں دیا گیا جس میں اس نے قادیانیت کے خلاف احرار کی ایجی ٹیشن کا حوالہ دیتے ہوئے مسلمانوں کو رواداری کا درس دیا تھا۔

ایمرسن نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر اپنے خطبہ میں قادیانیت کے خلاف مجلس احرار کے مظاہروں کا ذکر کرتے ہوئے نہ صرف مسلمانوں کو رواداری کی تلقین کی تھی بلکہ

مسلمانوں کے باہمی نفاق پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانان پنجاب کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی قوم میں کوئی بلند پایہ لیڈر پیدا کریں۔ پس تحریک قادیانیہ کے خلاف اقبال کا پہلا بیان ''قادیانیت اور صحیح العقیدہ مسلمان'' اسی کے جواب میں جاری کیا گیا۔

اس بیان کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ اقبال نے ایمرسن کے درس رواداری کو مسلمانوں کے تمدنی نقطہ نگاہ سے بے خبری قرار دیا اور فرمایا کہ انگریزی حکومت کو اس بات سے غرض نہیں کہ مسلمانوں کا اتحاد برقرار رہتا ہے یا نہیں، کیونکہ اس کا مفاد تو صرف اسی میں ہے کہ نئے مذہبی کا جو بانی بھی ابھرے، وہ برطانیہ کا وفادار رہے۔ اس ضمن میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی خاطر انہوں نے اکبر الہ آبادی کو درج ذیل شعر بھی پیش کیا ہے

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
''انا الحق'' کہو اور پھانسی نہ پاؤ

اقبال نے مزید کہا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اسلام کے باغی گروہ کو تو اپنے اشتعال انگیز عقائد کی تبلیغ جاری رکھنے کی آزادی ہو لیکن اگر ملت اسلامیہ کوئی دفاعی تدبیر اختیار کرے تو اسے رواداری کا سبق دیا جائے۔ اگر انگریزی حکومت اس گروہ کی خصوصی خدمات کے سبب اسے پسند کرتی ہے تو اسے اس کی خدمات کا جو جی چاہے صلہ دے سکتی ہے مگر یہ زیادتی ہے کہ مسلمانوں سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ اپنے معاشرے کی سالمیت کے تحفظ کیلئے فکر مند نہ ہوں۔ (30)

شیخ اعجاز احمد، قادیانی حلقوں، سر فضل حسین یا عظیم حسین کے خیال میں اقبال نے قادیانیت کی مخالفت اپنی سیاسی اغراض کے حصول کی خاطر کی تھی لیکن اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ اقبال کی سب سے اہم سیاسی غرض مسلمانان برصغیر کے مفادات کا تحفظ تھی۔ نظریاتی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک سب سے بڑا گناہ ہے کیونکہ مشرک اللہ تعالیٰ کی توحید، یکتائیت اور خودی کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اور اس کی پاداش میں دوزخ میں جھونکا جاتا ہے۔ لیکن اقبال کے ہاں امت محمدیہ یا ملت اسلامیہ کے اتحاد، یگانگت، یکجہتی اور سالمیت کو پارہ پارہ کرنے والا تو اس کی اجتماعی خودی کا منکر ہے لہٰذا ایسا گنہگار ہے جسے دوزخ بھی قبول کرنے کو تیار نہیں۔

کیا اقبال نے اپنی کسی ذاتی غرض کی تحصیل کی خاطر یا احساس محرومی کے سبب تحریک قادیانیہ کی مخالفت کی تھی؟ شیخ اعجاز احمد یہ تحریر کرتے ہیں کہ اس زمانے میں چونکہ انگریزی حکومت نے اقبال کے بجائے سر ظفر اللہ خان کو مستقل طور پر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن مقرر کر دیا تھا اس لیے اقبال نے تحریک قادیانیت کی مخالفت میں بیان جاری کرنے شروع کر دیئے۔ یہ عذر کچھ اسی قسم کا ہے جو ہندو

اخبار ''ٹریبیون'' نے اقبال کے خطبہ الہ آباد 1930ء کے موقع پر پیش کیا تھا۔ یعنی اقبال نے برصغیر میں علیحدہ مسلم ریاست کا تصور انتقاماً دیا کیونکہ حکومت برطانیہ نے انہیں پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کیلئے مدعو نہ کیا تھا۔ اقبال نے اگر انگریزی حکومت کی ملازمت ہی کرنی تھی تو سر فضل حسین سے بنا کر رکھتے یا ان کی یونینسٹ پارٹی سے آخری دم تک وابستگی قائم رکھتے۔ انگریز حکمران سر فضل حسین پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ اس لیے 1932ء میں جب وہ چار ماہ کی رخصت پر گئے تو سر فضل حسین کی سفارش پر ہی سر ظفر اللہ خان کو عارضی طور وائسرائے کی کونسل کا رکن مقرر کیا گیا۔(31) اسی طرح جب اکتوبر 1934ء میں مستقل طور پر سر ظفر اللہ خان کے اس منصب پر تقرر کا اعلان ہوا تو اسے بھی سر فضل حسین کی کوششوں کا نتیجہ سمجھا گیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا ظفر علی خان کے ''زمیندار''، ''ویکلی میل'' اور ''مجاہد'' میں تند و تیز بیانات یا احراریوں کی ایجی ٹیشن صرف سر ظفر اللہ خان کے تقرر یا قادیانیوں کے خلاف ہی نہ تھی بلکہ سر فضل حسین اور یونینسٹ پارٹی کے خلاف بھی تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اسی اثنا میں سر ہربرٹ ایمرسن کے خطبہ کے جواب کی صورت میں اقبال کو بھی یونینسٹ قادیانی گٹھ جوڑ پر کھل کر تبصرہ کرنے کا موقع ملا اور انہوں نے قادیانیت کی تردید کے ساتھ ساتھ سر فضل حسین کے کردار پر بھی کڑی نکتہ چینی کی۔ سر فضل حسین پر الزام لگایا گیا کہ وہ انگریز حاکموں کے اشارے پر شہری دیہاتی تفریق کے ساتھ قادیانیوں کو آگے بڑھا کر پنجاب میں مسلمانوں کے اتحاد پر ضرب کاری لگا رہے ہیں۔ سر فضل حسین وائسرائے کی کونسل میں سر ظفر اللہ خان کے تقرر پر مسلمانوں میں اضطراب سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے اپنے خط مورخہ 24 ستمبر 1934ء بنام سر ظفر اللہ خان میں اس اضطراب کی وجوہات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں لیکن ساتھ ہی تحریر کیا:(32)

> ''اب انہوں نے اپنی تمام تر توجہ میری طرف مبذول کر لی ہے اور کہتے ہیں کہ زیادہ عرصہ تک اونچے منصب پر فائز رہنے کے سبب میں مسلم رائے عامہ سے بے پروا ہو گیا ہوں اور میں نے آمرانہ رویہ اختیار کر لیا ہے۔ خیر، مجھے توقع ہے کہ اب تک آپ کے تقرر کا فیصلہ ہو چکا ہو گا، گو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تقرر کے اعلان سے مخالفت ختم ہو جائے گی، بلکہ کچھ بڑھ ہی جائے گی۔ بہر حال میں دیکھوں گا کہ اس کے خاتمے کیلئے کیا قدم اٹھانے چاہئیں۔

اقبال کی اگر وائسرائے کی کونسل کی رکنیت میں دلچسپی تھی تو سر فضل حسین کی ڈائری یا خطوط میں اس کا کہیں ذکر ملتا یا عظیم حسین کی تصنیف میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہوتا۔ دراصل عظیم حسین کا تو گلہ ہی یہی ہے کہ ان کے والد سر فضل حسین اقبال کو انگریزی حکومت میں کسی بلند عہدے پر فائز کروانے کیلئے بار بار کوشش کرتے تھے۔ مگر اقبال ہر بار انگریزی حکومت پر نکتہ چینی کر کے حکومتی حلقوں کا اعتماد کھو دیتے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ انگریز حکمران اتنے کمزور نہیں تھے کہ احراریوں کی ایجی ٹیشن پر یا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا ظفر علی خان کے اخبارات میں اقبال کا نام لینے پر انہیں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن مقرر کر دیتے۔ یہ درست ہے کہ اس منصب پر سر ظفر اللہ خان کی متوقع تقرری کے خلاف ''زمیندار'' اور دیگر اخباروں میں سخت احتجاج ہو رہا تھا اور کہا جا رہا تھا کہ ایک قادیانی کے بجائے کسی جلیل القدر مسلمان کو یہ منصب دیا جائے اور اس ضمن میں اقبال کا نام بھی لیا جا رہا تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اقبال اس منصب کیلئے امیدوار تھے، درست نہیں۔ انگریز حکمرانوں کو اس قسم کے تقرر کرتے وقت سب سے پہلے ایسے لوگوں کی تلاش ہوتی تھی، جو ان کے اطاعت گزار اور وفادار ہوں، نہ کہ ان کے نقاد۔ اس لیے یہ بات پنجاب میں ہر کوئی جانتا تھا کہ وائسرائے کی کونسل کی رکنیت کے لیے اسی شخص کا تقرر ہوگا جو انگریز حاکموں کی توقعات کے مطابق سر فضل حسین کا صحیح جانشین ہو، جسے سر فضل حسین یا انہی کی طرح کی کسی شخصیت کی حمایت حاصل ہو اور اگر یہ محسوس کیا جاتا کہ مسلم ایجی ٹیشن کے سبب سر ظفر اللہ خان کا تقرر مناسب نہ رہے گا، تو اس منصب کیلئے سر فضل حسین کو کسی اور جانشین کی سفارش کرنے کیلئے کہا جاتا لیکن اقبال جیسی شخصیت، جس نے کئی بار انگریزی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا، کے تقرر کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

اس ضمن میں شیخ اعجاز احمد میاں محمد شفیع (م۔ش) کے بیان کو سند کے طور پر پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جن ایام میں سر فضل حسین کے جانشین کے تقرر کا معاملہ زیر غور تھا تو وائسرائے لارڈ ولنگڈن نے ایک ملاقات میں اقبال کو یہ کہہ کر کہ اب ہم اکثر ملتے رہیں گے، سر فضل حسین کی جگہ ان کے تقرر کی طرف اشارہ بھی کر دیا تھا۔ راقم کو اس روایت کی صحت پر کئی اعتراض ہیں۔ اول یہ کہ 1934ء یا 1935ء میں میاں محمد شفیع (م۔ش) سے اقبال کے کسی قسم کے روابط قائم نہ ہوئے تھے بلکہ اس زمانے میں وہ میاں محمد شفیع (م۔ش) کو جانتے تک نہ تھے۔ دوم یہ کہ ان دو سالوں میں ایسی کوئی شہادت راقم کی نظر سے نہیں گزری جس سے ثابت ہو سکے کہ اقبال کی لارڈ ولنگڈن سے ملاقات ہوئی تو کہاں ہوئی تھی۔ سوم یہ کہ جس روایت کا شنید پر انحصار ہو اور جس کی تائید کسی واقف حال ہمعصر شخصیت کے بیان یا کسی معتبر تحریری ذریعہ سے نہ ہوتی ہو وہ تحقیقی نقطہ نگاہ سے قابل اعتماد نہیں سمجھی جا سکتی۔

مئی 1935ء میں جب قادیانیت کے خلاف اقبال نے اپنا پہلا بیان جاری کیا تو گلے کا عارضہ لاحق ہوئے ڈیڑھ برس کی مدت گزر چکی تھی۔ بھوپال سے برقی علاج کا پہلا کورس مکمل کر کے واپس لاہور آئے تھے۔ آواز بہت نحیف تھی۔ صحت مسلسل گر رہی تھی اور مستقل طور پر صاحب فراش ہو چکے تھے بلکہ انہی ایام میں سردار بیگم کی تشویش ناک بیماری، پھر ناگہانی موت اور نابالغ بچوں کی نگہداشت وغیرہ

ایسے مصائب و آلام نے انہیں بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ آواز کی خرابی کے سبب تقریباً ڈیڑھ برس سے وکالت بھی چھوٹ چکی تھی۔ یہ درست ہے کہ اقبال کو مالی فراغت یا آسودگی کبھی نصیب نہ ہوئی لیکن 1934ء اور 1935ء میں تو بوجہ علالت وہ اس قابل ہی نہ رہے تھے کہ وائسرائے کی کونسل کی رکنیت قبول کرتے۔ اس حالت میں یہ کہنا کہ اقبال وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی رکنیت کے امیدوار تھے، یا اس منصب پر تقرری کے خواب دیکھ رہے تھے اور جب ان کی بجائے یہ منصب وزیر ہند نے سر ظفر اللہ خان کو سونپ دیا تو وہ انتقاماً قادیانیت کی مخالفت میں بیانات جاری کرنے لگے، اصل حقائق سے بے خبری ہے یا انہیں تعصب کی عینک سے دیکھنے والوں کی آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ (33)

کتابیات:

1:۔ اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ جلد اوّل صفحہ 354۔

2:۔ مکتبوات اقبال مرتبہ سید نذیر نیازی صفحہ 270۔ یہ کبھی بھی شائع نہ ہوا۔

3:۔ بیان کے انگریزی متن کے لئے دیکھئے اقبال کی تقریریں اور بیانات مرتبہ اے آر طارق (انگریزی صفحات 91 تا 98)

4:۔ ایضاً صفحات 99 تا 104۔

5:۔ ایضاً صفحات 105 تا 108۔

6:۔ اقبال کی تقریریں، تحریریں اور بیانات مرتبہ لطیف احمد شیروانی (انگریزی) صفحات 174 تا 176۔

7:۔ انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار صفحات 45۔46۔

8:۔ اسلام اور احمدیت کے انگریزی متن کے لئے دیکھئے اقبال کی تقریریں، تحریریں اور بیانات مرتبہ لطیف احمد شیروانی (انگریزی) صفحات 176 تا 199۔ اقتباس صفحہ 177 سے لیا گیا ہے۔

9:۔ ایضاً صفحہ 200۔

10:۔ مکتوبات اقبال مرتبہ سید نذیر نیازی صفحہ 315۔

11:۔ اقبال اور انجمن حمایت اسلام از محمد حنیف شاہد صفحات 131 تا 136۔

12:۔ مضمون ''قادیانیت اور علامہ اقبال'' نوائے وقت مورخہ 13 اپریل 1954ء

13:۔ دیکھئے کتابچہ بمشتمل چودہ صفحات بعنوان ''احمدیت علامہ اقبال کی نظر میں'' مرتبہ

عبدالمالک خان ناظر اصلاح وارشاد وصدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ، مزید دیکھئے اس کتابچہ پر تبصرہ ہفت روزہ چٹان مورخہ 27 مئی 1974ء صفحات 17،24،25۔

14:۔ اقبال نامے اخلاق، اثر بھوپال صفحات 76،77۔ یہ خط اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ حصہ اوّل صفحات 386، 387 پر بھی موجود ہے لیکن اس میں یہ فقرے ''مگر افسوس کہ دینی عقائد کی رو سے قادیانی ہے تم کو معلوم ہے کہ آیا ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی مسلمان بچوں کا گارڈین ہوسکتا ہے یا نہیں۔'' حذف کئے گئے ہیں۔

15:۔ باقیات اقبال مرتبہ محمد عبداللہ قریشی صفحہ 129۔

16:۔ معاصرین اقبال کی نظر میں صفحہ 232۔

17:۔ ایضاً صفحات 232 تا 241۔

18:۔ باقیات اقبال مرتبہ محمد عبداللہ قریشی صفحہ 163 تا 165۔

19:۔ معاصرین اقبال کی نظر میں مرتبہ محمد عبداللہ قریشی صفحات 231، 232، 241، 242۔

20:۔ خطوط اقبال مرتبہ محمد عبداللہ چغتائی صفحہ 45۔

21:۔ روایات اقبال مرتبہ محمد عبداللہ چغتائی صفحہ 45۔

22:۔ خط کے اقتباس کے لئے دیکھئے مضمون ''سر سید احمد خان، شمس العلماء مولوی میر حسن سیالکوٹی اور مرزا غلام احمد قادیانی'' از کلیم اختر ہفت روزہ چٹان مورخہ 17 نومبر 1975ء صفحہ 27۔

23:۔ صاف گو مسٹر جناح (انگریزی) صفحہ 53۔

24:۔ اقبال کی تقریریں، تحریریں اور بیانات مرتبہ لطیف احمد شیروانی (انگریزی) صفحات 234،235۔

25:۔ اقبال کی تقریریں اور بیانات مرتبہ اے آر طارق (انگریزی) صفحات 101۔

26:۔ خطوط اقبال مرتبہ رفیع الدین ہاشمی صفحہ 124۔ اقبال اور قادیانی از نعیم آسی۔ اقبال اور قادیانیت از شورش کشمیری۔ اقبال نے انھیں اپنے مقالے مسلم کمیونٹی کے انگریزی مسودے کے حاشیہ میں ذہنا ''میکین'' قرار دیا ہے۔

27:۔ تحدیث نعمت از سر ظفر اللہ خان صفحہ 10۔

28:۔ ایضاً صفحہ 237۔

29:۔ ایضاً صفحہ 237۔

30:۔ اقبال کی تقریریں اور بیانات مرتبہ اے آر طارق (انگریزی) صفحات 95، 96۔

31:۔ فضل حسین ایک سیاسی بیاگرافی از عظیم حسین (انگریزی) صفحات 313، 314۔
میاں فضل حسین کی ڈائری اور نوٹس مرتبہ ڈاکٹر وحید احمد (انگریزی) اندراجات ڈائری مورخہ 17 مئی و 22 مئی 1932ء صفحات 138 تا 140۔

32:۔ فضل حسین ایک سیاسی بیاگرافی از عظیم حسین (انگریزی) صفحات 314۔ میاں فضل حسین کی ڈائری اور نوٹس مرتبہ ڈاکٹر وحید احمد (انگریزی) صفحات 154۔

33:۔ احمدیوں کو چونکہ ہندو اور سکھ مسلمان کہتے تھے اس لئے قیام پاکستان پر احمدیوں نے بھی دیگر مسلمانوں کی طرح مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان میں پناہ لی اور قادیان کے بجائے سرگودھا کے نزدیک ربوہ کو اپنا مرکز بنایا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے دوران 1974ء میں آئین کی ترمیم کے ذریعہ انھیں غیر مسلم یا ایک علیحدہ مذہبی فرقہ قرار دے دیا گیا اور 1984ء میں جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے تعزیرات پاکستان میں ایک ترمیم کے ذریعہ ان لئے اسلامی اصلاحات کا استعمال جرم قرار دے دیا۔

....

مردِ غازی مولانا عبدالستار خان نیازیؒ:

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت میں مولانا عبدالستار خان نیازیؒ نے سزائے موت کا فیصلہ سن کر کہا: ''بس...! اس سے بھی بڑی سزا ہے تو دے لیجئے، میں ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں۔''

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت میں اپنی اسیری کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:
مجھے اپنی زندگی پر فخر ہے کہ جب تحریک ختمِ نبوّت کے مقدمے کے بعد میری رہائی ہوئی تو پریس والوں نے میری عمر پوچھی، اس پر میں نے کہا تھا: ''میری عمر وہ سات دن اور آٹھ راتیں ہیں جو میں نے ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کی خاطر پھانسی کی کوٹھڑی میں گزاری ہیں، کیونکہ یہی میری زندگی ہے اور باقی شرمندگی! مجھے اپنی زندگی پر ناز ہے۔''